بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عباسِؑ علیؑ یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے ۱ شمشادِ قباپوشِ گلستانِ علیؑ ہے
شبیرؑ کا دل، روحِ حسنؑ، جانِ علیؑ ہے شوکت سے دلاور کی عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اس کے نہ کیونکر رہے میدان وغا کا
فرزندِ زبردست ہے وہ دستِ خدا کا

سلطانِ سریر و حشم وجاہ ہے عباسؑ ۲ عالَم کے شجاعوں کا شہنشاہ ہے عباسؑ
آئینۂ تصویرِ یداللہ ہے عباسؑ شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ
اقبال و جلال اُن کا زمانے پہ جلی ہے
وہ نورِ محمدؐ ہے، تو یہ نورِ علیؑ ہے

روتے ہیں ملائک، یہ عزا خانہ ہے کس کا ۳ جنت سے علی آئے یہ کاشانہ ہے کس کا
ہر شمع کو رِقّت ہے یہ افسانہ ہے کس کا گردش میں ہے خورشید، یہ پروانہ ہے کس کا
اٹھتے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں
کس شیر کے بازو تہِ شمشیر کٹے ہیں

یہ لشکرِ غم ہے کہ عزا داروں کی صف ہے ۴ گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے
کون اُٹھ گیا، کیوں رونے کا غل چاروں طرف ہے ہاں ماتمِ فرزندِ شہنشاہِ نجف ہے
خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے
پُرسے کو علم دار کے آئے ہیں گھروں سے

بن کر ہمہ تن گوش سُنو وصفِ علمدار ۵ دے سب کو خدا دیدۂ حق بیں، دلِ بیدار
ہیں بلبلِ گلزارِ سخن اور بھی دو چار انصاف کریں ہر گُلِ مضموں کے طلبگار
گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں
بندش کو، نزاکت کو، نئے رنگ کو دیکھیں

خورشیدِ منیرِ فلکِ نور ہے عباسؑ ۶ مصباحِ شبستانِ سرِ طُور ہے عباسؑ
سقّائے حرم خلق میں مشہور ہے عباسؑ حیدرؑ کی طرح صاحبِ مقدور ہے عباسؑ
لاکھوں ہوں تو خوف اس کو دمِ رزم نہیں ہے
ایسا کوئی عالم میں اُولُوالعزم نہیں ہے

کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا ۷ لیکن کوئی عباسؑ کی جرأت کو نہ پہنچا
ہر شہر میں غازی کی شجاعت کا ہے شہرہ ہر لب پہ یہ ہے ذکر کہ یکتا ہے وہ یکتا
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہوئے گا جہاں میں
جو اہلِ وفا ہے، اُسے روئے گا جہاں میں

کیا دھاک ہے، کیا رُعب ہے، کیا عزت و توقیر ۸ ہے فتح طلب ان سے ہر اک صاحبِ شمشیر
معشوقِ شہِ عُقدہ کُشا، عاشقِ شبیرؑ صورت میں سراپا، اسداللہ کی تصویر
حملہ ہے وہی، شان وہی حرب وہی ہے
پنجہ ہے وہی، زور وہی، ضرب وہی ہے

دنیا میں ہُما نے یہ سعادت نہیں پائی ۹ فردوس میں طوبیٰ نے یہ رفعت نہیں پائی
حمزہؓ نے یہ ہمت، یہ شجاعت نہیں پائی جعفرؓ نے یہ توقیر، یہ شوکت نہیں پائی
سقائے حرم ہیں، خَلَفِ شاہِ نجف ہیں
واں ایک بزرگی ہے تو یاں لاکھ شرف ہیں

دو ہاتھ جو قربان کئے، حصے میں آئی ۱۰ دیں پروری و داد رسی، عقدہ کشائی
کوثر تو ہے قبضے میں، تصرُّف میں ترائی ہر بند سے دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی
بے دست ہیں لیکن سپرِ پیر و جواں ہیں
کیا تیغ کی حاجت ہے کہ خود سیفِ زباں ہیں

تھرّاتا ہے خورشید، جلال و حشم ایسا ۱۱ لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں، ثابت قدم ایسا
نام ایسا، دل ایسا، شرف ایسا، کرم ایسا جھک جاتی ہے شاخِ سرِ طوبیٰ علم ایسا
قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ
دامن دُرِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ

کیا فیض ہے، کیا اسمِ مبارک میں اثر ہے ۱۲ ہنگامِ مَرَض تقویتِ قلب و جگر ہے
کیسی ہی مہم سخت ہو، اک آن میں سر ہے بازو پہ جو باندھے تو سرِ دست ظفر ہے
کام آتا ہے یہ نام مصیبت میں، بلا میں
آفت میں سپر ہے، تو سروہی ہے وغا میں

شمشیرِ وغا، فارسِ میدانِ تہوُّر ۱۳ جرّار و وفادار، اُولُوالعزم، بہادر
تشبیہ میں عاجز نہ ہو کس طرح تصوُّر ہے عالمِ بالا میں ملائک کو تحیُّر
جب کھینچ چکا شکلِ علمدار و علم کو
خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار ۱۴ لکھّے کوئی کیا الفتِ سردارو علمدار
قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہیں زنہار
اِک آن فراق ان میں شب و روز نہیں ہے
پروانہ بھی یوں شمع کا دل سوز نہیں ہے

معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا ۱۵ فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلَین اٹھانا
تھی عینِ تمنّا قدم آنکھوں سے لگانا ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانندِ قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام ۱۶ فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میرے گل اندام
راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام
لازم ہے ادب، آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالِعِ بیدار ہمارے

عباسِ علیؑ ہے مِرا شَیدا، مِرا یاور ۱۷ فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر
جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ پیارا نہ ہو کیونکر یہ مجھے آپ کا دلبر
اس بھائی میں خُو بُو ہے شہِ عقدہ کشا کی
گھر میں مِرے تصویر ہے یہ شیرِ خدا کی

طینت میں وہی خلق، وہی طبع میں احسان ۱۸ ساری وہی صورت، وہی شوکت ہے، وہی شان
منظور ہے یہ، روز حسینؑ اِس پہ ہو قربان عباسِ دلاور پہ تصدُّق ہے مِری جان
اس کو بھی تو بچپن سے مِرا عشق دلی ہے
صفدر ہے، بہادر ہے، سعیدِ ازلی ہے

وہ کہتی تھی اے احمدؐ مختار کے پیارے ۱۹ خادم ہیں یہ سب، آپ ہیں سردار ہمارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے فخر اُس کا ہے، عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
منہ اس نے سدا پائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

عباسؑ کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری ۲۰ ہے اس کو نہ اولاد، نہ جان، آپ سے پیاری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری فرزندِ پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشقِ دلی اس کو شہِ کون و مکاں سے
لیتا نہیں بے 'صَلِّ علیٰ' نام زباں سے

اک روز کہا میں نے کہ عباسِ وفادار ۲۱ تم اُن کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
صدقے گئی یہ طُرفہ محبت ہے نیا پیار جو تم ہو سو وہ ہیں خَلَفِ حیدرؑ کرار
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سُپُرد اُن کے کیا ہے
کچھ خطِّ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

اتنا مِرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرالی ۲۲ تھرّا کے کہا بات یہ کیا منہ سے نکالی
توبہ کرو، یکساں ہوا میں اور شہِ عالی میں بندۂ ناچیز، وہ کونین کا والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرّہ کبھی خورشید کے ہمسر نہیں ہوتا

نسبت مجھے کیا اُن سے، کہاں نور، کہاں خاک ۲۳ میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
عباسؑ کے نانا بھی ہیں کیا سیّدِ لولاک میرے لئے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں

کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا ہو تو کہہ دو ۲۴ زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہہ دو
ان رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہو تو کہہ دو جبریل نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہہ دو
وہ فخرِ دوعالم ہے، امام، دوجہاں ہے
اسرارِ لدُنّی مِرے سینے میں نہاں ہے

رتبے میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر ۲۵ اک مُور ہو کس طرح سلیماںؑ کے برابر
کیونکر ہو سُہا نیّرِ تاباں کے برابر ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں ۲۶ خوش ہوں جو غلامِ علی اکبرؑ مجھے سمجھیں
رتبہ مِرا بڑھ جائے جو قنبر مجھے سمجھیں وہ خادمِ اولادِ پیمبرؐ مجھے سمجھیں
نعلین اٹھاؤں مِری معراج یہی ہے
شاہی بھی یہی، تخت یہی، تاج یہی ہے

بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں توقیر ۲۷ یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبرؑ و شبیرؑ
مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ
باتیں جو یہی ہوں گی تو مرجائے گا عباسؑ

تھا آپ کے زانو پہ سرِ فاتحِ خیبر ۲۸ کیا بھول گئیں واقعۂ رحلتِ حیدرؑ
زینبؑ بہ سرِ خاک تڑپتی تھیں زمیں پر اِس پہلو میں شبیرؑ تھے، اُس پہلو میں شبرؑ
صحت ہو پدر کو یہ دعا کرتا تھا میں بھی
لپٹا ہوا قدموں سے بکا کرتا تھا میں بھی

پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار ۲۹ اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا اک بار
فرمایا حسنؑ ہے مِرے نَو بیٹوں کا مختار عباسؑ رہا اِک، تو حسینؑ اِس کا ہے سردار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

ہنس ہنس کے میں سُنتی رہی تقریر یہ ساری ۳۰ اُس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
لے لے کہ بلائیں کہا تب میں نے کہ واری حاصل ہوئی واللہ مُراد آج ہماری
وہ دن ہو کہ حق تجھ سے غلامی کا ادا ہو
تُو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

فرمانے لگے اشک بہا کر شہِ ابرار ۳۱ ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
عباسؑ مِرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار رکھتا ہے حسینؑ اک یہی بازو، یہی غمخوار
امّاں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباسؑ نہیں ساتھ، علیؑ ساتھ ہیں میرے

کیا اُنس ہے، کیا عشق ہے، کیا پیار ہے، کیا چاہ ۳۲ مرکر بھی ہیں پروانۂ شمعِ لحدِ شاہ
جب قافلہ نزدیک پہنچتا ہے تو ناگاہ عباسؑ کو یہ ہوتا ہے حکمِ شہِ ذی جاہ
آج آتے ہیں غمخوار شہنشاہِ اُمم کے
لاؤ مِرے زوّاروں کو سائے میں علم کے

تربت سے نکل آتا ہے یوں عاشقِ شبیرؑ ۳۳ کاندھے پہ محمدؐ کا علم، ہاتھ میں شمشیر
حیرت سے ملک دیکھتے ہیں چاند سی تصویر ہوتے ہیں جلَو میں شُہدا صاحبِ توقیر
واں رحمتِ خالق کی طرح آتے ہیں عباسؑ
کس دھوم سے زوّاروں کو لے جاتے ہیں عباسؑ

۳۴ روضے ہیں کہ دو عرش زمیں پر ہیں نمودار اُردو ہے اِدھر شہ کا، اُدھر آپ کا بازار
دربار یہ حضرت کا، وہ عباسؑ کی سرکار دونوں درِ رحمت ہیں جدھر رخ کریں زوّار
دل کھِل گئے پہنچے جو رواقِ شہِ دیں میں
فردوس سے نکلے تو چلے خلدِ بریں میں

۳۵ یاں زحمتِ غربت ہے، وہاں دبدبہ و جاہ روضے پہ ہے یہ رعب کہ اَلعَظمَۃُ لِلّٰہ
شیروں کا یہ نقشہ ہے کہ بن جاتے ہیں رُوباہ سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ
بے اذن بشر کیا، کہ ملک جا نہیں سکتا
جھوٹی کوئی روضے میں قسم کھا نہیں سکتا

۳۶ رشکِ درِ فردوس ہے وہ روضۂ پُرنور پہنچے نہ کبھی جس کی بلندی کو سرِ طُور
دروازۂ رحمت وہ ملائک میں ہے مشہور زنجیر ہے یا سلسلۂ زلفِ سرِ حور
رضواں کی طرح خادمِ درگاہ کھڑے ہیں
کیلیں نہیں اس در پہ ستارے سے جڑے ہیں

۳۷ ساتوں فلک اس در کی بلندی سے ہیں ششدر زیبا ہے اسے کہیے اگر عرشِ منوّر
کرتے ہیں طواف اس کا ملک فخر سمجھ کر حقّا کہ درِ خانۂ ایماں ہے وہی در
کس در کے لئے خلق میں یہ عزّ و شرف ہے
دنیا میں جواب اس کا اگر ہے تو نجف ہے

۳۸ شبیرؑ کے زوّاروں کی الفت کا جو ہے جوش دروازہ بھی ہے شوق میں کھولے ہوئے آغوش
ہے ذاتِ علمدار خطا پاش و خطا پوش روتے ہیں جو زائر تو ملک کہتے ہیں خاموش
یہ کون سے جا گہ ہے رہے دھیان ادب کا
آرام میں ہے لعل شہنشاہِ عرب کا

۳۹
روشن ہے زمیں وادیٔ اَیمن سے زیادہ دریا کی طرح صحنِ مقدّس ہے کشادہ
مل جاتا ہے واں سے درِ فردوس کا جادہ دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
ہاتھ آیا شرف جب قدم اس فرش پہ پہنچا
کرسی پہ دھرا پاؤں تو سر عرش پہ پہنچا

۴۰
ہوتے دلِ پژمردہ جسے دیکھ کے شاداب اس گنبدِ آبی کی زہے آب زہے تاب
جھک جھک کے ملک کرتے ہیں سجدہ بصد آداب کیا سطوَتِ شاہانہ ہے، کیا رعب ہے، کیا داب
یہ قصر فلک قالبِ اُفتادہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے کاہکشاں، جادہ ہے اس کا

۴۱
ہے مَہبطِ انوارِ خدا ہر در و دیوار ضَو دیتا ہے کیا قُبّہَ اَیوانِ علمدار
گر پڑتی ہے بالائے زمیں مہر کی دستار شمسے پہ نظر کرتا ہے جب گنبدِ دوّار
ہو جاتا ہے دھوکہ فلکِ نیلو فری پر
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاجِ زری پر

۴۲
پایا نہ لطافت سے کسی طاق کو خالی رتبے میں ہے وہ سَقُف کہیں چرخ سے عالی
مِعمار نے بھی اُس کی بِنا نور کی ڈالی بے حُسن نہ دیکھا کوئی رَوزَن، کوئی جالی
مُنہ ملتا ہے خورشید ہر اِک خِشت پہ آکر
گچ واں کی بنائی ہے ستاروں کو ملا کر

۴۳
ہے نور کا گھر، بُوئے بہشت اس میں بھری ہے فولادی ضریح ایک جو مرقد پہ دھری ہے
جو اس کا شکیتہ ہے وہ اک چشمِ پری ہے حلقوں میں ستاروں کی طرح جلوہ گری ہے
ہے زانوئے حور اِس کے رخِ پاک کے نیچے
سوتا ہے زرہ پوش جواں خاک کے نیچے

محروم پھرا واں سے نہ جا کر کوئی مخلوق ۴۴ پاتے ہیں شفا کور و شل و ابرص و مدقوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق
رحمت کا سفینہ اسے کہیے تو بجا ہے
تابوتِ سکینہ اسے کہیے تو بجا ہے

کرتے ہیں طواف اس کا سدا فخر سے افلاک ۴۵ تابوت نہیں، عرشِ بریں ہے بسرِ خاک
پلکوں سے ملک جھاڑتے ہیں واں خس و خاشاک روضہ ہے اگر رحل تو قرآں لحدِ پاک
کیا قدرِ اِرَم، جب یہ مکیں اس میں نہیں ہے
خاتَم تو ہے نادر، پہ نگیں اس میں نہیں ہے

قِندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور ۴۶ پروانہ ہے شمعوں پہ، تجلّی ہے سرِ طور
رنگِ رخِ مہتابِ فلک ہوتا ہے کافور ہو جاتا ہے خورشیدِ فلک شام سے مستور
بخشے ہیں خدا نے دلِ بیدار دروں کو
حوریں ہیں کہ غرفوں سے نکالے ہیں سروں کو

قِندیلوں میں خاکے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن ۴۷ خاکے ہیں کہ بر میں مہِ کنعاں کی ہے جوشن
نور اِس میں ہے یوں سینے میں جیسے دلِ روشن جلوے سے ہے ظاہر کہ تجلّی کا ہے مسکن
ہر وقت نیا حُسن، نئی جلوہ گری ہے
کھنچنے میں ہے طاؤس، اُبھرنے میں پری ہے

عباسِؑ علمدار کی درگاہ کے صدقے ۴۸ شوکت کے تصدُّق، حَشَم و جاہ کے صدقے
کیا شیر ہیں ابنِ اَسدُ اللہ کے صدقے جس راہ سے سب جاتے ہیں اُس راہ کے صدقے
پہلے نہ بہشت اور نہ رخِ حور دکھائے
اللہ اِن آنکھوں کو وہی نور دکھائے

مدّاحئ عباسؑ بشر کا نہیں مقدور ۴۹ اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
ظاہر ہوئی گردوں پہ جو صبحِ شبِ عاشور میداں میں صف آرا ہوا سب لشکرِ مقہور
تیر آتے ہیں ہر صف سے امامِ ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ پر

جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا ۵۰ راحت میں علمدارِ جری کی خلل آیا
اک شیر سا جھنجھلا کے پرے سے نکل آیا تلواریں کھنچیں واں، اِدھر ابرُو پہ بل آیا
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہِ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوشِ غضب سے

اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے بھی پائی ۵۱ اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
جب شمعِ مزارِ حسنؑ اعدانے بجھائی تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بیبیاں رنڈ سالہ پنہاتی تھیں دلھن کو

روتے تھے بھتیجے کے لئے سیّدِ ابرار ۵۲ تر تھے عرقِ شرم سے عباسِؑ علمدار
روکر علی اکبرؑ سے یہی کہتے تھے ہر بار جی چاہتا ہے پھینک دیں اب کھول کے ہتھیار
انصاف کرو منہ کسے دکھلانے کی جا ہے
غیرت سے گلا کاٹ کے مرجانے کی جا ہے

کی زوجۂ مسلمؑ نے فدا اپنی کمائی ۵۳ بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؑ نے دلائی
سب بیبیوں نے دولتِ اولاد لٹائی قاسمؑ تھے، سو ماں ان کی انھیں نذر کو لائی
ہم کس سے کہیں، چپکے کھڑے روتے ہیں صف میں
امّاں تو مدینے میں ہیں، بابا ہیں نجف میں

شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا ۵۴ ہم شکلِ پیمبرؐ کو اشارے سے بلایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبرؑ نے سنایا ہے ابرِ الم دل پہ چچا جان کے چھایا
کام آتا ہے جو، رن میں خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامانِ علم منہ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

جس وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال ۵۵ اس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
چہرہ ہے کبھی زرد، کبھی سبز، کبھی لال دانتوں میں کبھی ہونٹ، کبھی آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ اب سُوئے نجف جائے گا عباسؑ
منہ رانڈ بھتیجی کو نہ دکھلائے گا عباسؑ

حضرت نے کہا سب ہے یہ سامانِ جدائی ۵۶ ٹوٹے گی کمر ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
منظور تھا ضائع نہ ہو بابا کی کمائی کچھ اُن کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لئے داغِ جگر بھائی کا کُ غم ہے
دھیان اپنا ہے اُن کو، ہمیں تنہائی کا غم ہے

وہ چاہتے ہیں جوہرِ شمشیر دکھائیں ۵۷ آنچ آئے نہ شبیرؑ پہ ہم برچھیاں کھائیں
خود سینہ سپر ہو کے برادر کو بچائیں ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے میرا جو وہ عالم سے اٹھے گا
یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اٹھے گا

رخصت نہ ملے گی، وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں ۵۸ دم بھرتے ہیں الفت کا تو مجھ سے نہ جدا ہوں
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں ہم اُن پہ تصدّق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں
اور تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

اکبرؑ نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری ۵۹ ہے بعد مِرے رخصتِ عباسؑ کی باری
شہ بولے ابھی چپ رہو خاطر سے ہماری کس کس کی جدائی میں کریں گریہ و زاری
تنہا نہ کرو دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
اتنا بھی ستاتے نہیں اک زار وحزیں کو

دیتا ہے کوئی داغ، کوئی کرتا ہے گھائل ۶۰ سَو وار ہیں، اک جان ہے، سو زخم ہے، اک دل
کیا درد رسیدہ کو الم دینے سے حاصل تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ، ہے مجھے مشکل
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا
ہم ذبح بھی ہوں گے تو کوئی پاس نہ ہوگا

مختار تمھاری تو ہے بس زینبِ دلگیر ۶۱ لازم ہے تمھیں پالنے والی سے یہ تقریر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر جو روٹھے ہیں ان کو تو منالے ابھی شبیرؑ
اولاد کا ہے دھیان، نہ کچھ پیاس کا غم ہے
تم سب سے زیادہ مجھے عباسؑ کا غم ہے

بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سروَر ۶۲ بے چین ہوئے دیکھ کے عباسِؑ دلاور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبرؑ حضرت کے پسِ پشت کھڑے ہوگئے آکر
سایا جو کیا فرق پہ دامانِ علم کا
سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہِ اُمم کا

مڑکر کہا اللہ مری جان کہاں تھے ۶۳ ہم دیر سے تصویر کی صورت نِگَراں تھے
اندھیر جہاں تھا کہ تم آنکھوں سے نہاں تھے کیوں تر گُلِ رخسار ہیں، کیا اشک رواں تھے
لاشے پہ تو روئے نہ تھے فرزندِ حسنؑ کے
ہاں خیمے میں پُرسے کو گئے ہوں گے دلھن کے

ان روتی ہوئی آنکھوں کے قربان ہو شبیرؑ ۶۴ اللہ سے کیا زور ہے، جو خواہشِ تقدیر
چھاتی سے لپٹ جا مری اے صاحبِ شمشیر کی سر کو جھکا کر یہ علمدار نے تقریر
ناچیز پہ کچھ لطف سے حاصل نہیں مولا
میں چھاتی سے لپٹانے کے قابل نہیں مولا

شہ نے کہا کیوں، ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی ۶۵ ان باتوں سے کچھ بو خَفَگی کی مجھے آئی
کیا کہتے ہو، کیوں شرم سے گردن ہے جھکائی پیارے نہیں تم ہم کو، یہ کیا جی میں سمائی
دیکھو تو اِدھر سبطِ نبیؐ تم پہ فدا ہو
ہم صدقے ہیں، تم بھائی سے روٹھو، کہ خفا ہو

لو آؤ میں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک ۶۶ زلفوں پہ کدھر جا کے جمالائے ہو یہ خاک
قربان تمھارے پسرِ سیّدِ لولاک مجھ درد رَسیدہ کو عبث کرتے ہو غمناک
سر پیٹو گے اور نالہ و فریاد کروگے
مرجاؤں گا جب میں تو بہت یاد کروگے

میں نے کبھی ناخوش تمھیں رکھّا ہو تو کہہ دو ۶۷ کچھ رنج مرے ہاتھ سے پہنچا ہو تو کہہ دو
تیوری بھی چڑھا کر کبھی دیکھا ہو تو کہہ دو اکبرؑ سے کبھی کم تمھیں سمجھا ہو تو کہہ دو
بھائی نہیں جانا، یہی جانا کہ پسر ہو
تم تو مری آنکھیں ہو، مرا دل ہو، جگر ہو

انصاف کرو تم سے کِیَا کس کو سوا پیار ۶۸ مالک ہو مرے گھر کے، مری جان کے مختار
ہر چند کہ جعفرؑ کے بھی پوتے تھے طلبگار میں نے یہی چاہا مرا بھائی ہو علم دار
کچھ دل پہ برادر کے ملال آنے نہ پائے
بابا نہیں سر پر، یہ خیال آنے نہ پائے

اب کون سی وہ بات ہے جس کا ہے تمھیں غم ۶۹ حیرت یہ رہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اُس دم ہے فخرِ غلامی مجھے اے قبلۂ عالم
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو

مجھ کو علی اکبرؑ کی طرح گود میں پالا ۷۰ ہوش آپ کے دربار میں خادم نے سنبھالا
حضرت کے تصدّق سے ہوئی شان دوبالا کیا رنج مجھے پہنچے گا اے سیّدِ والا
میں تو ہوں غلام، آپ شہِ جنّ و بشر ہیں
حضرت تو زمانے میں یتیموں کے پدر ہیں

حضرت میں ہے سب احمدِؐ مختار کی خُو بُو ۷۱ بتلایئے حُر کون تھا اے سیّدِ خوش خو
فرمایا بصد لطف جسے قوتِ بازو سر اُس کا کہاں اور کہاں آپ زانو
رحمت کا طریقہ کبھی چھوڑا نہیں آقا
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

کیا سِن تھا مرا، خلق سے جب اٹھ گئے حیدرؑ ۷۲ میں آپ کے سائے میں پلا ، یا شہِ صفدر
ہوتا المِ بے پدری پھر مجھے کیونکر تھا فضلِ الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر
سب رازِ خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے یہی جانا کہ مرے سر پہ علیؑ ہیں

ادنیٰ تھا میں ، اعلیٰ ہوا حضرت کی بدولت ۷۳ ہر شہر میں شُہرہ ہوا حضرت کی بدولت
قطرہ تھا سو دریا ہوا حضرت کی بدولت یہ سب مرا رتبہ ہوا حضرت کی بدولت
مولا جو مرے حال پہ ہے آپ کی شفقت
نے ماں کی یہ شفقت ہے، نہ ہے باپ کی شفقت

۷۴ بھولے نہیں خادم کو کبھی آپ مگر آج پاتا نہیں خادم وہ عنایت کی نظر آج
کیا حال ہے، پوچھی بھی نہ بندے کی خبر آج دیکھا بھی نہیں آپ نے شفقت سے اِدھر آج
بیزاری کا باعث تو بتا دیجئے آقا
تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجئے آقا

۷۵ مارے گئے خویش و رُفقا، مجھ کو نہ پوچھا مرجانے کی دی سب کو رضا، مجھ کو نہ پوچھا
لڑکے ہوئے مقتل میں فدا مجھ کو نہ پوچھا قاسمؑ پہ چلی تیغِ جفا، مجھ کو نہ پوچھا
کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصہ مرا کیا جنسِ شہادت میں نہیں ہے

۷۶ آرام سے سب سوتے ہیں اے سیّدِ والا جا گہہ مری اک قبر کی مقتل میں نہیں کیا
مارے نہ گئے ہم تو رہے گا یہی چرچہ میداں سے ہوا پیش روِ قافلہ پسپا
جینے کا نمک خوار کے اب لطف نہیں ہے
امّاں بھی مجھے دودھ نہ بخشیں گی، یقیں ہے

۷۷ شہ بولے اسی بات پہ بس ہے یہ شکایت انصاف ہے شرط اے پسرِ شاہِ ولایت
رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حاملِ رایت
قوت ہے تمھیں سے تو مرے قلب وجگر کو
تیغوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے پسر کو

۷۸ پاتا میں زمانے میں کہاں گر تمھیں کھوتا چین آتا جو میں ساتھ ترے قبر میں سوتا
سر پیٹ کے پھر کون مری لاش پہ روتا مرجاتا ہے جب بھائی تو پیدا نہیں ہوتا
بھُولے مری الفت کو بھی اللہ برادر
رخصت کے لئے روٹھ گئے واہ برادر

میں منع تو کرتا نہیں، کیوں روٹھے ہو بھائی ۷۹ معلوم ہوا، ہے تمھیں منظور جدائی
یہ سُنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی
خوش ہو کے تصدّق ہوئے سلطانِ اُمم پر
سر رکھ دیا جھک کر شہِ والا کے قدم پر

غش ہوگئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری ۸۰ ناگاہ درِ خیمہ سے فضّہ یہ پکاری
عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری گہوارے میں اصغرؑ بھی سسکتا ہے میں واری
رانڈوں میں دُہائی ہے رسولِ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیرِ خدا کی

پانی اِسے ممکن ہے، نہ ملتا ہے اُسے شِیر ۸۱ دو جانیں تلَف ہوتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر سر چوب سے ٹکراتی ہی یاں بانوئے دلگیر
پانی کے لئے ماں سے یہ منہ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ ۸۲ فضہ کی صدا سنتے ہیں میداں سے پھرے شاہ
پانی کا اِدھر شور، اُدھر ماتمِ نوشاہ خیمے میں تلاطم تھا کہ اَلعَظمۃُ لِلّٰہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہؑ تو پڑی تھی
بچے کو لئے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گُلِ سوسن ۸۳ مردے کی طرح زرد ہوا تھا رخِ روشن
لٹکے ہوئے تھے ہاتھ، ڈھلی جاتی تھی گردن چھاتی تو دھڑکتی تھی بس اور سرد تھا سب تن
ماں روتی تھی چلّا کے تو رک جاتی تھی ہچکی
ننھا سا دہن کھُلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

آوازِ پدر سن کے سکینہؑ ہوئی ہشیار ۸۴ اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہِ ابرار
قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہوئے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہؑ

سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی ۸۵ یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی
حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی روتی ہوئی زینبؑ جو قریں بھائی کے آئی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی کے پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان ۸۶ یہ سن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچاجان
رکھ دیجے مری مشک کو لِلّٰہ چچاجان ہاتھوں سے چلے تھے مرے تم آہ چچاجان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

پھر چاندسی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ ۸۷ پہلے شہِ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ
مانوں گی نہ میں، نہر سے جلد آؤ تو جاؤ کچھ دیر نہ ہوگی، یہ قسم کھاؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کہہ دوں تمھیں، ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

بی بی کے پلانے کے لئے لاتے ہیں پانی ۸۸ عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی
کیا دل سے بھلادیں گے تری تشنہ دہانی رُکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی
بے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار ۸۹ چُپ ہوگئی یہ سن کے سکینہؑ جگر افگار
تھرّانے لگی زوجۂ عباسِ علمدار بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہِ ابرار
چادر نہ سنبھلتی تھی، جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں، منہ چاند سا فق تھا

غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار ۹۰ حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کرسکتی تھی گفتار
تکتی تھی کن انکھیوں سے کبھی سوئے علمدار حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار
بیتابیٔ دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کی بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا ۹۱ منہ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارا
دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا
ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ
روتی ہو تو کبریٰ کی طرف دیکھ کے روؤ

تسکین وہیں ہوگی تم اب رانڈوں میں جاؤ ۹۲ بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ
بچے ہیں بلکتے، انھیں چھاتی سے لگاؤ اللہ تو ہے دھیان تباہی کا نہ لاؤ
دنیا سے کئی داغِ جگر لے کے چلے ہیں
ہم اپنی نشانی یہ پسر دے کے چلے ہیں

بے خنجر و شمشیر ہمیں آپ نے مارا ۹۳ چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا
صاحب نہ ہوئے جب تو رہا کون سہارا یہ درد وہ ہے درد کہ جس کا نہیں چارا
سینوں میں جگر داغِ یتیمی سے جلیں گے
بچے مرے کمسن ہیں یہ کس طرح پلیں گے

بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ابرار　۹۴　تم سے بھی نہ روکے گئے عباسِ علمدار
سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار　　حضرت ہی رضا دینے، نہ دینے کے ہیں مختار
مالک مرے اور ان کے شہِ عرش نشیں ہیں
بانو کی میں لونڈی، یہ غلامِ شہِ دیں ہیں

کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں اے شاہ　۹۵　کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصتِ جنگاہ
ماں کو علی اکبرؑ کی سہاگن رکھے اللہ　　میری نہ محبت ہے، نہ بیٹوں کی انھیں چاہ
جو بھائی ہو، کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو
فخر اُس کا جو زہراؑ کی کمائی پہ فدا ہو

یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے　۹۶　گہہ زیرِ فلک جا کے دعا کی، کبھی روئے
دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے　　مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوئے
رخصت جو ملی اب تو انھیں عید ہوئی ہے
لونڈی پہ تو رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے

اک آہ بھری شہ نے یہ سن کر سُخنِ یاس　۹۷　آداب بجالا کے چلے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے غول تھے رانڈوں کے چپ و راس　　چلّاتے تھے شہ اب ہوئے ہم بے کس و بے آس
تا زیست تو اب دردِ جدائی نہیں جاتا
دنیا سے علیؑ جاتے ہیں، بھائی نہیں جاتا

غل تھا کہ علمدار، خدا حافظ و ناصر　۹۸　شبیرؑ کے غمخوار، خدا حافظ و ناصر
اے بے کس و بے یار، خدا حافظ و ناصر　　سیّد کے مددگار، خدا حافظ و ناصر
دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمھیں آتے ہوئے دیکھیں

چلّاتی تھیں زینبؑ کہ میں صدقے ترے بھیّا ۹۹ سچ ہے کہ حسینؑ آج ہوئے بیکس و تنہا
پردے کے قریں بازوئے شبیرؑ جو پہنچا اونچا کیا فضہ نے درِ خیمہ کا پردہ
کاندھے پہ علم رکھ کے وہ ضیغم نکل آیا
بدلی جو ہٹی، نیّرِ اعظم نکل آیا

دی پیک نے بڑھ کر سوئے اصطبل یہ آواز ۱۰۰ آپ آتے ہیں حاضر کرو شبدیزِ سُبک تاز
تھا رشکِ فلک سیر کی آمد کا یہ انداز جس طرح سے طاؤس خراماں ہو بصد ناز
سرعت کے سبب سائے میں عالم تھا ہرن کا
اندھیاری نہ تھی چہرے پہ گھونگھٹ تھا دلھن کا

خوبی جو رکابوں کی مہِ نو کبھی پائے ۱۰۱ ہاتھ آئے تو آنکھوں سے فلک اپنی لگائے
آنکھوں کا یہ عالم کہ غزال آنکھ چرائے اُڑنے میں پرندوں کے بھی ہوش اُس نے اُڑائے
غازی کی سواری بھی عجب شان سے آئی
غل تھا کہ پری اُڑ کے پرستان سے آئی

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ علمدار ۱۰۲ رانوں میں جو دابا تو ہرن ہو گیا رہوار
چاؤش نے آواز یہ دی فوج کو اک بار شیر آتا ہے دریا کی ترائی سے خبردار
ہاں رخ طرفِ نہر ہے اس بحرِ کرم کا
خورشید نہ سمجھو اسے، پنجہ ہے علم کا

ناگہ نظر آیا علمِ دیں کا پھر ہرا ۱۰۳ پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہنچا
لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہنچا

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں ۱۰۴ پانی کے لئے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہِ اُمم آتا ہے رن میں سلطان کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

چتون تو قیامت کی ہے، تیور ہیں غضب کے ۱۰۵ اک حملے میں سرتن سے اتر جائیں گے سب کے
فرزند ہیں یہ فخرِ شجاعانِ عرب کے شیر ان کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے
بچے کبھی اس گھر کے نہیں رن سے ٹلے ہیں
یہ سب اَسَدُ اللہ کے پیشے میں پلے ہیں

خالق جسے اپنے یدِ قدرت سے بنائے ۱۰۶ خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اُس سے ملائے
یہ چاند سی تصویر کہاں سے کوئی لائے خود ڈھونڈھے نظیر اپنی تو عالم میں نہ پائے
چہرہ گلِ شاداب ہے، قد سروِ سہی ہے
یوسفؑ شہِ والا کے عزیزوں میں یہی ہے

ہر شہر میں پیشانیٔ انور کا ہے شہرہ ۱۰۷ سجدے کا نشاں بھی ہے تکلُّف ہے یہ دوہرا
گویا ورقِ ماہ ہے یہ مِہر کا مُہرا دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زُہرا
اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
موسیٰؑ نے یہ جلوہ یدِ بیضا میں نہ دیکھا

غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرّار ۱۰۸ گویا کہ ہیں دو ناخنِ شیر ابروئے خم دار
بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صفِ کفّار ہل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
یہ کاٹ کبھی تیغِ دودستی میں نہیں ہے

گردوں پہ مہِ نَو کا یہ عالم نہیں دیکھا ۱۰۹ شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
اک بیت کے یہ مصرعِ برجستہ ہیں دونوں
ظاہر میں کشیدہ ہیں، پہ دل بستہ ہیں دونوں

کہیے مہِ نَو اِن کو، تو یہ رُو نہیں اُس میں ۱۱۰ مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اُس میں
ہے اک گُلِ خورشید تو خوشبو نہیں اُس میں آنکھیں نہیں، پلکیں نہیں، ابرو نہیں اُس میں
بُو ہے گُلِ تر میں، یہ خط و خال کہاں ہے
قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے ۱۱۱ ہاں دیدۂ نرگس کا بھی مضموں نظری ہے
حلقے میں سوادِ شب و نورِ سَحَری ہے یہ چشم میں پُتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشمِ ملک نے نہیں دیکھی

نظروں سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو ۱۱۲ بے لطف ہے جب تک کہ نہ ہو چشم، نہ ابرُو
آنکھوں سے نہاں ہے جو رخِ سیّدِ خوش خو پُتلی صفتِ قبلہ نما پھرتی ہے ہر سُو
روتے ہیں فراقِ پسرِ شاہِ نجف سے
آنسو نہیں، موتی نکل آتے ہیں صدف سے

خط ہے جو شبِ قدر تو رخ صبحِ اِرَم ہے ۱۱۳ کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے دیکھو خطِ رَیحاں ورقِ زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لئے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حُور لئے ہے

یہ رُوئے دل افروز قمر نے نہیں پایا ۱۱۴ یہ حُسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
نور اس دُرِ دنداں کا گہر نے نہیں پایا رنگِ لبِ نازک گُل تر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں، دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکرے ہیں، یہ الماس کے نگ ہیں

ہیرے کی چمک اس دُرِ نایاب میں دیکھے ۱۱۵ خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے ایسے نہ کواکِب شبِ مہتاب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لائقِ تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے ۱۱۶ آئینے کو حیراں کیا گردن کی صفا نے
شانوں کو تو چوما ہے شہِ عقدہ کشا نے الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا

یہ رستمِ دستاں نے بھی شہرت نہیں پائی ۱۱۷ دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی
اور ناخنِ انور کا ہنر عقدہ کشائی منہ دیکھ لیں خود بھی یہی پُتلی میں سمائی
بے تیغ کھنچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
زور اُن کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا

مسکن ہے جہاں نور کا، وہ گھر ہے یہ سینہ ۱۱۸ انوارِ الٰہی سے منوّر ہے یہ سینہ
عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سینہ ہم مرتبۂ سینۂ حیدرؑ ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا میں
جزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں

اس کی کمرِ راست کا کیا حال کہوں آہ　۱۱۹　خم ہوگئی مرجانے سے جس کے کمرِ شاہ
جس جا پہ ہو نقشِ قدمِ ابنِ یدُاللہ　مٹنے سے وہ مثلِ خطِ قسمت نہیں آگاہ
اس خاک پہ کیوں رشک نہ ہو چرخِ بریں کو
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو

ورثے میں بزرگوں کے ملے ہیں انھیں ہتھیار　۱۲۰　قبضے میں ہے تیغِ کمرِ حیدرؑ کرار
ہاشم کی سپر، خودِ ابوطالبؑ سردار　دستانے پہنتے تھے یہی جعفرؑ طیار
حمزہؑ اسی نیزے سے وغا کرتے تھے رن میں
دیکھی تھی اسی طرح زرہ جسمِ حسنؑ میں

اللہ رے اوجِ علمِ دینِ پیمبرؐ　۱۲۱　جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی فر فر
تھا سر پہ ہُما سایہ فگن کھولئے ہوئے پر　پنجے کی ضیا دیکھ کے خورشید ہے ششدر
تابندہ کوئی شے نہیں زیرِ فلک ایسی
موسیٰؑ نے تجلّی میں نہ دیکھی چمک ایسی

صف باندھے ہوئے محوِ ثنا تھے ستم آرا　۱۲۲　جو حضرتِ عباسؑ نے بڑھ کر یہ پکارا
اے بے خبرو! گھاٹ سے کر جاؤ کنارا　ہم شیر ہیں، مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

ناگاہ کہا شمرِ جفا جو نے یہ بڑھ کر　۱۲۳　اے وارثِ شمشیرِ علیؑ، ثانئ جعفرؑ
کیا قصد ہے، دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر　لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے سر بر
جیتے نہیں بچنے کے، جو مرنا ہو تو آؤ
پانی کے لئے خون میں بھرنا ہو تو آؤ

یوسفؑ کو گنواتے ہیں یہ کس طرح کی ہے چاہ ۱۲۴ کچھ تم سے محبت نہیں رکھتے شہِ ذی جاہ
آبِ دمِ شمشیر پہ اس نہر کی ہے راہ مفت اپنی جوانی کو نہ ضائع کرو ﷲ
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
ان تیغوں کی باڑھوں میں تمھیں گھاٹ ملے گا

ہاں روک تو اے ظالمِ غدّار ہم آئے ۱۲۵ عباسؑ پکارے کہ خبردار، ہم آئے
لے گھاٹ سے اور نہر سے ہشیار، ہم آئے اک وار میں اِس پار سے اُس پار ہم آئے
تلوار کے مالک تہِ افلاک ہمیں ہیں
آبِ دمِ شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

کٹتا ہے پہاڑ، آگ ہے تیشے میں ہمارے ۱۲۶ پسپا ہَوں، یہ جائز نہیں پیشے میں ہمارے
بر آ نہیں سکتا کوئی بیشے میں ہمارے ہے زورِ علیؑ ہر رگ و ریشے میں ہمارے
خاطر جو کشیدہ ہو تو جھکتے نہیں غازی
گر آگ کا دریا ہو تو رکتے نہیں غازی

سر جائے تو حیدرؑ کے طریقوں کو نہ چھوڑیں ۱۲۷ تو کیا ہے جو رستم ہو تو ہم منہ کو نہ موڑیں
گر قلعۂ خیبر ہو تو اِک ہاتھ میں توڑیں مرجائے، اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں
سَو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

ہالا ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا ۱۲۸ فرماکے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا
بجلی جو گری ہوگیا لشکر تہ وبالا بھالوں کو اُدھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا
اس شان سے غازی صفِ جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکرِ روباہ میں آیا

دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اِک بار ۱۲۹ عالم کو قیامت کے نظر آ گئے آثار
ہلنے لگے اشجار، لرزنے لگے کہسار صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرفِ غار
جِن کہتے تھے خالق ہمیں اس آن بچائے
چلّاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

گرتے تھے طیورانِ ہوا کھولے ہوئے پر ۱۳۰ شہباز کے بازو سے لپٹتا تھا کبوتر
بجلی نہ گرے ہم پہ پرندوں کو یہ تھا ڈر سب جان بچانے کے لئے پھرتے تھے مضطر
نعرہ جو کیا ابنِ شہِ قلعہ شکن نے
منہ ڈال دیا شیر کے قدموں پہ ہرن نے

جس صف پہ چلی تیغ، وہ بے سر نظر آئی ۱۳۱ ریتی پہ ہر اِک لاش برابر نظر آئی
جب وار کیا قوّتِ حیدرؑ نظر آئی گہ تنگ کے نیچے، کبھی سر پر نظر آئی
غل ہوتا تھا کرتی تھی دوپارہ جو سپر کو
دو کردیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

تیغوں کو نیاموں سے نکلنے نہیں دیتی ۱۳۲ اس فوج کا اک وار بھی چلنے نہیں دیتی
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتی انداز لڑائی کا بدلنے نہیں دیتی
تلوار نہیں، برقِ اجل ہم پہ جھکی ہے
ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رُکی ہے

ترکش کو نہ چھوڑا نہ کماندار کو چھوڑا ۱۳۳ حلقے کو، نہ چلّے کو، نہ سوفار کو چھوڑا
بے دو کئے، راکب کو، نہ رہوار کو چھوڑا چھوڑا تو سسکتا ہوا دو چار کو چھوڑا
رخ سب قدر اندازوں کے پھرتے ہوئے دیکھے
ہر ضرب میں سر خاک پہ گرتے ہوئے دیکھے

مِغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی ۱۳۴ سر پر جو پڑی، خانۂ زیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی گہہ ڈوب گئی، گاہ زمیں سے نکل آئی
غل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رُکتی
یہ ضرب تو جبریلؑ کے پر سے نہیں رُکتی

نے ڈھال پہ، نہ سر پہ، نہ گردن پہ رُکی وہ ۱۳۵ سینے پہ، نہ بکتر پہ، نہ جوشن پہ رکی وہ
نے سنگ، نہ اشجار، نہ آہن پہ رکی وہ نے زین پہ، نہ پایۂ توسن پہ رکی وہ
یہ چاشنئ خونِ عدو بھا گئی اس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اس کو

سینے میں در آئی تو نئی چال سے نکلی ۱۳۶ پہنچے کو قلم کرتی ہوئی ڈھال سے نکلی
ڈوبی جو زرہ میں تو عجب حال سے نکلی مچھلی سے تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
چار آئینے کو آٹھ کیا کاٹ نے اُس کی
بٹھلا دی ہر اِک کشتئ تن گھاٹ نے اُس کی

جوں موج ہوئی فوج میں ہلچل لبِ دریا ۱۳۷ دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لبِ دریا
کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لبِ دریا پھٹ پھٹ گیا ڈھالوں کا بھی بادل لبِ ردریا
بدلی میں نہ اس تیغ کا پرتو نظر آیا
مطلع جو ہوا صاف، مہِ نَو نظر آیا

جب ناریوں کو تیغ کے گھاٹ اُس نے اتارا ۱۳۸ لڑنے میں نظر آگیا دریا کا کنارا
سقائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا کیوں اب کہو دریا ہے ہمارا کہ تمھارا
تم کہتے ہو ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو، اب ہم تمھیں آنے نہیں دیتے

یوں لیتے ہیں دریا جو شجاعت کے دھنی ہیں ۱۳۹ ہم قوتِ بازوئے امامِ مدنی ہیں
ہرچند گرفتارِ غریب الوطنی ہیں پر شیرِ غضب ناک دمِ تیغ زنی ہیں
ہے بات کی پیچ، نام پہ مرتے ہیں بہادر
جو کہتے ہیں منہ سے وہی کرتے ہیں بہادر

خالی تو میں پھر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا ۱۴۰ ہٹتا نہ اگر سینے پہ سَو برچھیاں کھاتا
ممکن تھا کہ یہ شیر ترائی کو نہ پاتا کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ نہیں آتا
مٹّی بھی یہیں کی تنِ صد چاک پہ ہوتی
گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی

عباسِ دلاور تو یہ کہتے تھے بصد قہر ۱۴۱ پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرفِ نہر
دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اِک لہر فرماتے تھے، بن شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر
کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا
بے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

کہہ کر یہ سخن ڈال دیا نہر میں رہوار ۱۴۲ حُسنِ رخِ رنگیں سے وہ تختہ ہوا گلزار
تھے صاف حبابِ لبِ دریا گُلِ بے خار پانی میں مہک عطر کی آجاتی تھی ہر بار
تھی نور کی ضَو عکس سے گرداب کے اندر
خورشید تو باہر تھا، قمر آب کے اندر

پہلے تو کہا دل سے بجھا لیجے یہاں پیاس ۱۴۳ پر ساتھ ہی ڈوبے عرقِ شرم میں عباسؑ
سوچے کہ سلامت تو پہنچنے کی نہیں آس خم ہو کے بھرا مشک کو دریا سے بہ صد یاس
جب تشنہ دہن تا بہ لبِ جُو نکل آئے
اس وقت تو گھوڑے کے بھی آنسو نکل آئے

بھاگی ہوئی پھر جمع ہوئی فوجِ ستم گر ۱۴۴ دریا کی ترائی میں جو آیا وہ غضنفر
غل تھا کہ نکل جانے نہ پائے یہ دلاور شیث آیا کئی سَو قدر اندازوں کو لے کر
پیاسے پہ گھٹا شام کے لشکر کی جھکی تھی
تلواروں سے اور برچھیوں سے راہ رکی تھی

تھی مشکِ سکینہ پہ سپر، ہاتھ میں تلوار ۱۴۵ غصے میں بڑھے آتے تھے عباسؑ علمدار
اس غول کے آگے، کبھی اس صف کے ہوئے پار حملے تھے وہی، تیغ وہی، اور وہی وار
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلا تا تھا گھوڑا
آتا تھا کبھی اور کبھی اُڑ جا تا تھا گھوڑا

بجلی کی تڑپ اسپِ سُبُک رَو نے دکھائی ۱۴۶ شعلے کی لپک تیغ کے پر تو نے دکھائی
ہر سُم کے تلے شکل مہِ نَو نے دکھائی رفتارِ غزال اس کی تگ و دَو نے دکھائی
آہُو میں بھی ایسے نہ طرارے نظر آئے
ہَیکل جو ہلی دھوپ میں تارے نظر آئے

نعرے سے بہادر کے وہل جاتے تھے ناری ۱۴۷ جب بڑھتے تھے عباسؑ تو ٹل جاتے تھے ناری
جب بھاگ نہ سکتے تھے تو جل جاتے تھے ناری گھبرا کے ہر اِک صف سے نکل جاتے تھے ناری
اعجاز یداللہ کے جانی نے دکھایا
آتش کا اثر تیغ کے پانی نے دکھایا

برچھی کہیں کھائی، کہیں نیزہ، کہیں شمشیر ۱۴۸ جا جا کے جو ہر صف میں لڑا عاشقِ شبیرؑ
عباسؑ بنے جعفرِؑ طیّار کی تصویر جس وقت لگے دونوں طرف بازوؤں پر تیر
جنت کے دریچوں کو ملک باز کریں گے
اب سُوئے جناں نہر سے پرواز کریں گے

۱۴۹ زخمی تھی کلائی، پہ چلی جاتی تھی تلوار گھوڑا جو رکا گھیر لیا فوج نے اک بار
مشکیزے کو جھک جھک کے بچاتے تھے علمدار گھبرا گئے جب پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
پیہم صفِ اعدا سے یہ ناوک فگنی تھی
گھوڑے کی بھی گردن دُمِ طاؤس بنی تھی

۱۵۰ گویا کہ لہو روتا تھا ہر دیدۂ جوشن تھے جسم پہ مانندِ زرہ تیروں کے رَوزَن
غش آتا تھا ہرنے پہ جھکی جاتی تھی گردن تھی غرق بہ خوں، تن کی قبا، زِین کا دامن
کھا کھا کے سناں شکرِ خدا کرتے تھے عباسؑ
پر مشک نہ سینے سے جدا کرتے تھے عباسؑ

۱۵۱ ہاں بھائیو دم لینے نہ دو تشنہ دہاں کو غل فوج میں تھا مار لیا شیرِ ژیاں کو
توڑو کمرِ سبطِ رسولِؐ دوجہاں کو پانی سے کہیں تر نہ کرے خشک زباں کو
مرجائے گا، تیغوں سے جو مشکیزہ کٹے گا
پانی جو بہاؤ گے تو زور اس کا گھٹے گا

مطلع-۲ لڑتا رہا تا دیر مددگارِ حسینؑ جب گھر گیا اعدا میں علمدارِ حسینؑ
۱۵۲ غل تھا کہ مٹی رونقِ گلزارِ حسینؑ زخمی ہوا تیروں سے جو غمخوارِ حسینؑ
گو تن میں نہ طاقت تھی مگر لڑتے تھے عباسؑ
جو ٹوکتا تھا، شیر سے جا پڑتے تھے عباسؑ

۱۵۳ پھرتے تھے کمر پکڑے ہوئے سبطِ پیمبرؐ یاں کا تو یہ نقشہ تھا، سنو حالتِ سرور
لب پر کبھی نالے ہیں، کبھی ہائے برادر ڈیوڑھی پہ تو سب ہیں حرم اور آپ ہیں باہر
تکتے ہیں سوئے نہر سَرا چوں کے تلے سے
لپٹائے ہیں عباسؑ کے بیٹے کو گلے سے

منہ چوم کے کہتے ہیں نہ رو میں ترے قرباں ۱۵۴ تو باپ کے آنے کی دعا مانگ مری جاں
ننھے سے اٹھا ہاتھ یہ کہتا ہے وہ ناداں اللہ یتیمی سے بچالے مجھے اس آں
بھائی کی نشانی پہ فدا ہوتے ہیں شبیرؑ
معصوم دعا کرتا ہے اور روتے ہیں شبیرؑ

پھر غل جو ہوا رن میں تو زینبؑ کو پکارے ۱۵۵ آتی ہے تباہی بہن اب گھر میں ہمارے
گھیرا ہے مرے شیر کو دریا کے کنارے مارے کوئی مجھ کو، مرے بھائی کو نہ مارے
عباسؑ کی گردن سے تو شمشیر ملے گی
پر مجھ کو کہاں باپ کی تصویر ملے گی

ڈیوڑھی پہ تلاطُم تھا، حرم کرتے تھے زاری ۱۵۶ کہتی تھی سکینہؑ کہ چلی جان ہماری
سر کھولے دعا مانگتی تھیں بیبیاں ساری یاشیرِ خدا خاک میں مل جائیں یہ ناری
طوفاں سے خدا پیاسوں کی کشتی کو بچائے
اللہ سکینہؑ کے بہشتی کو بچائے

ناگاہ یہ جانکاہ صدا دشت سے آئی ۱۵۷ ہاں طبل بجے، تیغ علمدار نے کھائی
تصویرِ علیؑ صفحۂ ہستی سے مٹائی دیکھیں تو کہ اب بھائی کو پیدا کرے بھائی
ٹھنڈا شہِ والا کا علم کردیا ہم نے
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کردیا ہم نے

نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا ۱۵۸ وہ دستِ علمدار اٹھا کر یہ پکارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں، ہم نے کسے مارا دیکھے انھیں کس جا ہے یداللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے، کلائی ہے یہ کس کی

۱۵۹ ہے کس گُل رنگیں میں ید اللہ کی خوشبو — یہ خون بھرے کس کے ہیں الماس سے بازو
وہ کون تڑپتا ہے ترائی میں لب ِ جُو — لشکر کا علم کیا ہوا اَے سیّدِ خوشخو
وہ نہر پہ خنجر سے گلا کٹتا ہے کس کا
بسمل کی طرح خاک پہ تن اٹتا ہے کس کا

۱۶۰ تھرّانے لگے غیظ سے ابنِ اسداللہ — بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ
تیغِ دوزباں کھینچ کے دوڑے شہِ ذی جاہ — اتنا تو کہا مرگئے عباسِؑ علی آہ
یاں بنتِ علیؑ کُوٹ کے سینہ نکل آئی
سب بیبیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

۱۶۱ کیوں نکلیں بہن تم، کسے مارا، کسے مارا — عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا
اے بھائی بہشتی مِرا کوثر کو سدھارا — وہ کہتی تھی رونے دو، نہیں صبر کا یارا
چلّاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

۱۶۲ گودی میں اُسے دوڑ کے فضہ نے اٹھایا — فرزند کو بابا کی خبر سن کے غش آیا
واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا — دریا پہ جو پہنچا اسداللہ کا جایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کئے تھے
تیروں سے چھدی مشک کو پہلو میں لئے تھے

۱۶۳ صدقے میں ترے، اے مرے لشکر کے علمدار — بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار
عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار — مجروح جو تھا تیروں سے وہ جسم گہر بار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دوجہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ ۱۶۴ عباس، ہم آغوش میں لیویں اِدھر آؤ
گر ہاتھ نہیں، سر مِری چھاتی سے لگاؤ یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلو گیر ۱۶۵ کہنا تھا بہت کچھ، پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ امیّد یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مِرے رُوئے خَلَفِ شاہِ نجف ہے
اِس وقت تلک منہ مرا قبلے کی طرف ہے

سب کام مِرے آپ کے صدقے سے بن آئے ۱۶۶ وہ فاطمہؑ آئیں، شہِ خیبر شکن آئے
آپ آئے، حسنؑ آئے، رسولِؐ زمن آئے سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سُوئے خلدِ بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے، کبھی پھیلائے ۱۶۷ کلمہ جو پڑھا، ہونٹ علمدار کے تھرّائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے
زانوئے شہِ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

سر پیٹ کے ہاتھوں سے، یہ شبیرؑ پکارے ۱۶۸ عباسؑ ہمیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے بس ہوچکی تعظیم، میں قربان تمھارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدّق
عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدّق

کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینہ ۱۶۹ چلّاتی ہے ڈیوڑھی سے تمھیں ہائے سکینہؑ
بتلاؤ بھتیجی کو تسلّی کا قرینہ اس صدمے سے اس بچّی کا دشوار ہے جینا
یہ مشک جو واں خون میں تر جائے گی بھائی
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مرجائے گی بھائی

زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے ۱۷۰ بیکس ہوے شہ، حیف ہے غمخوار سدھارے
حضرت نے کہا جعفرِؑ طیّار سدھارے جرّار و وفادار و مددگار سدھارے
جنت کو گئے، ہم سے یہ کیا کرگئے بھائی
باتیں ابھی کرتے تھے، ابھی مرگئے بھائی

خاموش انیسؔ اب تو نہ کہہ زاریٔ شبیرؑ ۱۷۱ ٹکرے کیے دیتی ہے جگر کو تری تقریر
ہر بات میں ہے درد، ہر اِک لفظ میں تاثیر مصرعے ہیں محبوں کے کلیجے کے لئے تیر
کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہِ طِلا دے
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صِلا دے